Date of Publication : 09-07-2015

DR. ABID ...
KATRA, RAMPUR - 244901 (U.P.)

PRICE Rs. 3/-

POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 10-11 JULY 2015, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2015-17
Licensed to Post Without PrepaymentU (C) 160/2015-17

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

15-21 JULY 2015
Issue: 27. Vol.: 74

۱۵ تا ۲۱ رجولائی ۲۰۱۵ء
شمارہ نمبر: ۲۷، جلد نمبر: ۷۴

مصحفی کی پیکر تراشی

الف ناظم

پیکر تراشی لفظوں سے تصویر بنانے کا عمل ہے۔ یہ انگریزی لفظ 'امیجری' کا اردو ترجمہ ہے۔ پیکر تراشی کا عمل ایک طرح سے محاکات کا عمل بھی ہے مگر محاکات کا دائرہ پیکر تراشی کے مقابلے میں محدود ہے۔ محاکات کے ذریعے کوئی تصویر ذہن کے سامنے تو آجاتی ہے مگر 'حواسِ خمسہ' کو بیدار نہیں کرتی۔ پیکر تراشی میں تشبیہ و استعارہ اہم وسیلہ ہیں، بالخصوص استعارہ تو کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ پیکر بھی ابتدا میں استعارے کی منزل سے گزرتا ہے مگر پیکر تراشی 'استعارہ سازی' کے آگے کی منزل تصور کی جاتی ہے۔ شہپر رسول لکھتے ہیں:

"پیکر تراشی حالاں کہ استعارہ سازی کے عمل سے قریب ہے لیکن پیکر تراشی کا عمل، استعارہ سازی سے زیادہ قوی اور دور رس نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ اس لیے پیکر تراشی کو استعارہ سازی سے آگے کی منزل کہا جاسکتا ہے۔"[۱]

استعارے کی طرح پیکر بھی مجازی زبان کی ایک شکل ہے جس میں خیال اور جذبہ شعری جامہ پہنتا ہے۔ اس لیے اسے پیکروں سے تصویر بنانے کا عمل کہا جاتا ہے۔ سی ڈی لیوس کہتا ہے:

"شعر میں پیکر وہ لفظی تصویر ہے جو جذبے یا جوش سے مملو ہوتی ہے۔"[۲]

ہر ادب میں پیکر تراشی کے عناصر کسی نہ کسی صورت میں موجود ضرور ہوتے ہیں، کیوں کہ پیکر بھی تخلیقی زبان کا ایک حصہ ہوتا ہے جس کا تعلق براہِ راست 'حواس' سے ہوتا ہے۔ چناں چہ ہر وہ لفظ جو حواس کو بیدار کرے، پیکر کہلائے گا۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے پیکر کی تعریف یوں کی ہے:

"ہر وہ لفظ جو حواسِ خمسہ میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ کو متوجہ اور متحرک کرے، پیکر ہے۔ یعنی حواس کے اس تجربے کی وساطت سے ہمارے متخیلہ کو متحرک کرنے والے الفاظ پیکر کہلاتے ہیں۔"[۳]

پیکروں کے عموماً دو مفہوم تصور کیے جاتے ہیں۔ ایک نفسیاتی، جس میں پیکر کو تصویر یا ذہنی شبیہ خیال کیا جاتا ہے اور دوسرا لسانیاتی، جس میں پیکر کو تشبیہ اور استعارہ اور لفظی تصویر سمجھا جاتا ہے۔ ان کے خیال میں شعری پیکر کی تعریف، ان دونوں تصورات کے ملانے سے وجود میں آتی ہے۔ گویا ذہنی پیکروں کو لفظی پیکروں میں بدلنا ہی شعری پیکر یا پیکر تراشی کا عمل ہے۔ یوں تو پیکروں کی بہت سی قسمیں ہیں جن کی درجہ بندی کسی ایک اصول کے تحت ممکن نہیں۔ البتہ 'حواسِ خمسہ' اور 'حسی ادراک' کے نقطۂ نظر سے اس کی چھ قسمیں بتائی گئی ہیں، جن میں (۱) بصری پیکر، اس میں چار قسم کے پیکر شامل ہیں: (الف) روشنی کا پیکر (ب) صفائی کا پیکر (ج) رنگ کا پیکر (د) حرکت کا پیکر (۲) سامعی پیکر (۳) شامی پیکر (۴) ذوقی پیکر (۵) لمسی پیکر (۶) عضوی پیکر۔

پیکر تراشی کی مثالیں، اٹھارھویں صدی کے تمام شعرا کے یہاں شعوری اور غیر شعوری طور پر نظر آتی ہیں، مگر پیکر تراشی مصحفی کے کلام کا وصفِ خاص ہے۔ مختلف شکلوں میں پیکر تراشی کی جتنی مثالیں کلیاتِ مصحفی میں موجود ہیں، اتنی اٹھارھویں صدی کے کسی اور شاعر کے کلام میں نظر نہیں آتیں۔ مصحفی کا کلیات دلکش اور رنگین تصویروں کی ایک آرٹ گیلری ہے۔ محبوب کی دل فریب ادائیں، اس کا سراپا، اس کے لب و رخسار اور اس کے جسم کے خطوط کو جس خوبی سے مصحفی نے اپنے اشعار میں ابھارا ہے، وہ ان کے معاصرین کے یہاں نظر نہیں آتا۔ فراق گورکھپوری نے مصحفی کی اس خصوصیت کو ان کی انفرادی صفت قرار دیتے ہوئے انھیں 'حواسِ خمسہ' کا شاعر بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"رنگ، روپ، صورت و شکل، سجاوٹ اور نکھار کا آئینہ دار، جتنا مصحفی کا کلام ہے اتنا اردو کے کسی اور غزل گو کا کلام نہیں۔ یہ بات جتنے مختلف عنوانوں سے جتنی واقعیت اور اصلیت لیے ہوئے مصحفی کے یہاں ہے، وہ میر، سودا، جرأت، انشا، غالب، ذوق، ظفر، مومن، داغ اور میر کسی کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ اس کا کلام ایک 'تصویر خانہ' (Picture Gallery) ہے۔"[۴]

بصری و سماعی پیکر

مصحفی کے شعری پیکر ان کے تمام حواس کی بیداری کی غمازی کرتے ہیں۔ لیکن بصری و سماعی پیکروں کی ان کے کلام میں فراوانی ہے، جو جمالیاتی احساس کی شدت کے ساتھ ساتھ بیک وقت ایک سے زیادہ حواس کو بیدار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فراق گورکھپوری نے مصحفی کو 'حواسِ خمسہ' کا شاعر قرار دیا ہے۔ مصحفی نے 'حواسِ خمسہ' میں سے بیشتر حواس کی مدد سے شعری پیکر ابھارے ہیں۔ ان کے یہاں داخلی کیفیات کی بے شمار تصویریں نظر آتی ہیں جنھیں سجاد باقر رضوی نفسیاتی تصویریں کہتے ہیں۔ یہ نفسیاتی تصویریں معاملاتِ عشق سے متعلق ہیں، جنھیں پیش کرنے کے لیے جذبہ و احساس کا تجزیہ لازمی ہوجاتا ہے۔ سجاد باقر لکھتے ہیں:

"مصحفی محض تصویریں بنانے پر اکتفا نہیں کرتے۔ وہ گرد و پیش سے خوشبو، رنگ، آہنگ اور ذائقے سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کبھی ایک حواس کو دوسرے حواس میں منتقل بھی کرتے ہیں۔ باہر کی کیفیات کو محض دکھاتے نہیں بلکہ یوں اپنے داخلی ردِ عمل کا اظہار بھی کرتے ہیں۔"[۵]

نفسیاتی کیفیات کی کچھ تصویریں دیکھیے:

جذبِ الفت کا یہ عالم ہے کہ بیٹھے بیٹھے
کوئی ہر وقت نکالے ہے مرے گھر سے مجھے

یک چند اس طرف میں جو جانے سے رہ گیا
رک رک کے وہ بھی پھر ادھر آنے سے رہ گیا

ہم تو اس کوچے سے گھبرا کے چلے جاتے ہیں
دو قدم جاتے ہیں، پھر جا کے چلے آتے ہیں

اول تو تھوڑی تھوڑی چاہت تھی درمیاں میں
پھر بات کہتے کہتے لکنت آنے لگی زباں میں

[illegible] کے چلے گئے
[illegible] کے چلے گئے

مصحفی کا خاص میدان عشق و محبت کی مختلف کیفیات، محبوب کا سراپا، اس کی دل فریب ادائیں، اس کے لب و رخسار اور اس کے جسم کے خد و خال وغیرہ کے تجربات کی پُر اثر انداز میں تصویر کشی کرنا ہے۔ ان تمام عناصر کو انھوں نے بصری و سماعی پیکروں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے کلیات میں بصری و سماعی پیکروں کی ایک کہکشاں نظر آتی ہے جو ان کے شعری تنوع اور اسلوب میں اضافہ بھی کرتی ہے اور ہمارے حواس کو نمایاں طور پر متحرک بھی۔

(الف) بصری پیکر:

شب اک جھلک دکھا کر وہ مہ چلا گیا تھا
اب تک وہی سماں ہے غرفے کی جالیوں پر

اک شاخِ گل پہ بیچ مری جا پڑی تھی آنکھ
قامت کو کھینچ مجھ کو قیامت دکھا گئی

شب ہجر صحرائے ظلمات نکلی
میں جب آنکھ کھولی، بہت رات نکلی

لو جنگ چشم تر نے بہاریں نکالیاں
مژگاں ہیں اشک سرخ سے پھولوں کی ڈالیاں

غم ترا دل میں مرے پھر آگ سلگانے لگا
پھر دھواں سا اس سے کچھ اٹھتا نظر آنے لگا

برق رخسار یار پھر چمکی
اس چمن کی بہار پھر چمکی
دیکھیو پاؤں رکھ دیا کس نے
آج کیوں نوک خار پھر چمکی

ایک دن رو کے نکالی تھی میں ہوس کلفت دل
اب تلک دامن صحرا سے غبار اٹھتا ہے

چہرے کی طرح آتش ہے وہ بتانی
زلفوں کی جگہ کھینچی ہی تصویر دھوئیں کی

اس آب اشک میں یوں لخت دل ہے نظر آتے
کہ جیسے وقت شب دریا میں عالم ہو چراغاں کا

شب کو اس میں جو جھانکے ہے ستاروں کی طرح
جگمگائی ہے ترے غرفے کی جالی کیا خوب

یہ تمام اشعار حس باصرہ کو متاثر کرتے ہیں۔ ان اشعار میں رات کو چاند کی ایک جھلک کا سماں، غرفے کی جالیوں پر محفوظ رہ جانا، صبح کے وقت شاخ گل پر آ کر پڑنا، شب ہجر کو صحرائے ظلمات کی طرح نکلنا (دراصل عاشق کی ہجر کی رات اس قدر طویل ہو جاتی ہے کہ اسے صحرائے ظلمات میں چلتے رہنے سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی ہجر کی رات بھی ایسی ہے جس کی صبح کے کوئی آثار نہیں)، محبوب کے غم کا عاشق کے دل میں آگ سلگانا اور اس کے نتیجے میں عاشق کو دھواں سا کچھ اٹھتا نظر آنا، محبوب کے رخسار کی برق چمکنا اور اس کی مناسبت سے چمن کی بہار کا چمک اٹھنا اور پاؤں رکھنے سے نوک خار کا چمک اٹھنا، عاشق کا دامن صحرا میں کلفت دل نکالنا اور اس کے نتیجے میں دامن صحرا کا غبار آلود ہو جانا، زلفوں کی جگہ دھوئیں کی تصویر نظر آنا (زلف اور دھوئیں کی تصویر میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں ہوا میں لہراتے ہیں)، ان تمام اشعار میں حسن و عشق کے مختلف تجربات و کیفیات کو بصری پیکروں میں ظاہر کیا گیا ہے نیز آخری دو شعروں میں روشنی کی حیثیت بنیادی ہے جس میں لخت دل کا وقت شب دریا میں چراغوں کی مانند بہنا اور محبوب کے غرفے کی جالیوں سے ستاروں کی طرف جھانکنا ایک مخصوص انداز میں روشنی کے پیکروں کو سامنے لاتا ہے۔

رنگ کا پیکر

مصحفی کا مطالعہ کرنے والے تقریباً تمام ناقدین اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کے یہاں حواس خمسہ کی شاعری اور خاص طور پر باصرہ کی شاعری اردو کے کسی بھی شاعر کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ فراق، مجنوں، سید عبداللہ اور شمس الرحمن فاروقی نے اپنی تحریروں میں مصحفی کی اس خصوصیت کو اپنے اپنے طور پر دریافت کیا ہے۔ فراق کہتے ہیں:

"آج تک اردو کے کسی غزل گو کے کلام میں رنگ کا لفظ اتنی بار نہیں آیا جتنی بار مصحفی کے یہاں آیا ہے۔"[۶]

سید عبداللہ اپنے مضمون "مصحفی کا کارنامہ خاص اردو شاعری میں" میں لکھتے ہیں:

"مصحفی کے کلام میں لہو اور خون کے تصورات بھی موجود ہیں مگر یہ سب رسمی اور خیالی ہیں۔ رنگوں کے سلسلے میں ان کی تصویروں کا رنگ تب ظاہر ہوتا ہے جب وہ حنا کا مضمون باندھتے ہیں اور حنا وہ حنا ساز رنگ ہے جسے مصحفی کی حسن پسند آنکھ سب سے زیادہ پسند کرتی ہے۔"[۷]

مصحفی کے کلیات میں رنگ اور اس کی مختلف کیفیات سے متعلق بے شمار اشعار موجود ہیں جن میں محبوب کا رنگ، اس کی آرائش میں استعمال ہونے والی اشیا کا رنگ، محبوب پر ظاہر ہونے والی مختلف کیفیات کا رنگ اور ان کے اثر سے عاشق کا رنگ وغیرہ کو ایسی تصویروں کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے جو حواس باصرہ کو متاثر کرتی ہیں:

ور تن سے ہے جھلکتا بدن سرخ ترا
زیر شبنم نہیں چھپتا تن سرخ ترا

پانی میں نگاریں کف پا اور بھی چمکا
بھیگے سے ترا رنگ حنا اور بھی چمکا

نئی مہندی ہے کہ یوں کف پا کا لے لوں
رنگ ہونٹوں پہ تری تازہ حنا کا لے لوں

کیا عجب ہو گر ترے حسن سپید و سرخ سے
ہو گلابی، دیدۂ چشم تماشائی کا رنگ

رات سے اب مصحفی کچھ خون سا روتا ہے تو
سچ تو کہہ کس کے حنائی تو نے دیکھے دست و پا

بے لاگ کوں عشق سے دامن جو آنسوؤں کا
سب ماجرا ہے ایک یہ چشم خونفشاں کا

مرے چہرے کا رنگ زعفرانی
کرے ہے آپ اظہار محبت

مت میرے رنگ زرد کا چرچا کرو یہاں
رنگ ایک سا کسی کا ہمیشہ نہیں رہا

گل کا یہ رنگ ہے تو اب اک دن
آگ رکھ دیں گے آشیاں میں ہم

کہتے ہیں آتش گل بھڑکے ہے پھر چمن میں
کیا جانے رنگ کیا ہو بلبل کے آشیاں کا

اس کے بدن سے رنگ ٹپکتا نہیں تو پھر
لبریز آب و رنگ ہے کیوں پیرہن تمام

متحرک تصویریں: متحرک تصویروں کا اندازہ درج ذیل اشعار کی مدد سے لگایا جا سکتا ہے:

بیزاری اس چمن میں پھیلی ہے اس کہ ہر سو
گل دست باغباں سے دامن جھٹک رہے ہیں

ہوا کے دیکھیو کہ فصل بہار آتش جنوں
دامن جھٹکتی آئی ہے ہر دم ہوائے گل

گرم رنگ گل سے ڈر کہ اب تو باغباں
گلچیں سے گل اترتے ہیں بھر بھر کے جھولیاں

دل لے گیا ہے میرا وہ سیم تن چرا کر
شرما کے ہو چلے ہے سارا بدن چرا کر

میں دوڑ کے لگ جاؤں ہوں ظالم کے گلے سے
جب تک کہ نزاکت سے وہ تلوار سنبھالے

کوئی اس باغ سے اے باد صبا جاتا ہے
رنگ رخسار سے پھولوں کے اڑا جاتا ہے

یہ کس نے کھولے ہیں دریا پہ کاکل پیچاں
کہ موج دوڑی چلی بے قرار آتی ہے

کھینچے ہے نسیم سحری منہ سے دوپٹہ
پر ہاتھ پکڑ کر وہ چھڑاتی نہیں وہ بھی

کھول دیتا ہے تو جب جا کے چمن میں زلفیں
پابہ زنجیر نسیم سحری نکلے ہے

ان اشعار میں چمن میں بیزاری پھیلنے سے گلوں کا دست باغباں سے دامن جھٹکنا، ہوائے گل کا دامن جھٹکتے ہوئے آنا، گلوں کا گلچیں سے جھولیاں بھر بھر کر اترنا، محبوب کا شرما کر اور بدن چرا کر چلنا، معشوق کے نزاکت سے تلوار سنبھالنے سے قبل ہی عاشق کا اس کے گلے لگ جانا، پھولوں کے رخسار سے رنگ کا اڑتے جانا، محبوب کا لب دریا کاکل پیچاں کا کھولنا اور موج دریا کا بے قرار ہو کر دوڑے چلے آنا، نسیم سحری کا محبوب کے دوپٹہ کو منہ سے کھینچنا اور نسیم سحری کا پابہ زنجیر ہو کر نکلنا وغیرہ ایسے تجربات و تاثرات ہیں جو شاعر کی انفرادیت کو حسی اور جذباتی سطح پر قائم کرتے ہیں۔ آخری شعر میں کھول دینے، زلفیں، پابہ زنجیر، نسیم سحری ایسے الفاظ و تراکیب ہیں جو حرکی کیفیت کے ساتھ ساتھ بصری کیفیت بھی پیدا کر رہے ہیں۔ نسیم سحری اور زنجیر میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں میں حلقے موجود ہیں، نسیم سحری بھی بل کھاتی ہوئی چلتی ہے اور زلف محبوب بھی۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں سے دو متحرک تصویریں ابھرتی ہیں۔ ان تمام اشعار میں چمن، گل، باغباں، گلچیں، بدن، تلوار، رخسار، موج، دریا، دوپٹہ، زلف اور فصل بہار، آتش جنوں، ہوائے گل، رنگ گل، سیم تن، باد صبا، کاکل پیچاں، نسیم سحری اور پابہ زنجیر وغیرہ الفاظ و تراکیب مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی مدد سے شاعر نے ایسی متحرک تصویریں ابھاری ہیں جو جمالیاتی کیفیات کی تجسیم کرتی ہیں۔

(ب) سماعی پیکر

بصری پیکروں کی طرح سماعی پیکروں کا بھی مصحفی کے کلام میں ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے جن میں ان کے بصری پیکروں کی طرح جمالیاتی کیفیات کی تجسیم بھی نظر آتی ہے۔ سماعی پیکر کا اندازہ درج ذیل اشعار سے لگایا جا سکتا ہے:

گھڑیوں کو جس طرح کرے ہے سان پر کوئی
آواز ہائے خوش کا یہ عالم ہے راگ پر

نکالا قتل کرنے کو جو اس نے مجھ کو زنداں سے
تو مقتل تک صدا دیتی گئی زنجیر ہے پا کی

اک دن ہم اس چمن سے اٹھا لیں گے آشیاں
بلبل کے چہچہوں سے بہت بے دماغ ہیں

فغان بانگ جرس تھی نہ ایسی درد آمیز
قفائے قافلہ کوئی تو بے قرار رہا

چلی بھی جا جرس غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نوبہار ٹھہرے گا

کل رات مصحفی ہمسائے کہاں سوتے تھے
کیا نالوں نے تیرے پھر ہنگامہ محشر کا

نالہ کرتی ہے جس گھڑی بلبل
شعلہ اک آشیاں سے اٹھتا ہے

معشوق سے خالی نہیں عاشق کی کوئی بات
ہے رنگ شکستہ میں بھی اک پیار کی آواز

راگ پر آوازہائے خوش کا یہ عالم ہے کہ جیسے گھڑیوں کو سان پر رکھا جا رہا ہو، عاشق کو زنداں سے مقصد قتل کے تحت نکالا جانا اور مقتل تک اس کے پاؤں کی بیڑیوں کا صدا دیتے جانا، بلبل کے چہچہوں سے عاجز آ کر چمن سے آشیاں اٹھا لینے کا قصد، بانگ جرس کے فغاں کے درد آمیز ہونے پر بھی قافلے کے پیچھے چلنے والوں میں سے کسی ایک مسافر کا بے قرار رہنا، جرس غنچہ کی صدا کے ساتھ نسیم کا روانہ ہو جانا اور قافلۂ نوبہار کا اپنی قلمی منزل پر جا کر ٹھہرنا، عاشق کے نالوں کا کچھ عرصے تک تھم جانا جس کی وجہ سے ہمسائے کا ذرا آنکھ کی نیند سونا اور پھر عاشق کے نالوں سے ہنگامۂ محشر کا بپا ہونا، بلبل کے نالے سے آشیاں سے شعلہ اٹھنا وغیرہ سماعی پیکروں کو سامنے لاتا ہے جن میں زندگی کے رنگا رنگ تجربات موجود ہیں، جو تصویروں کی شکل میں ہمارے حواس کو بیدار کرتے ہیں۔

ذوقی پیکر (ذائقے کا پیکر) کی کچھ تصویریں ملاحظہ ہوں:

گئی شب فراق کی دے وصل کا مزہ
چاہے تو زہر کو بھی کرے آسماں لذیذ

وہ تلخ کام ہوں کہ مجھے آب شور تیز
لگتا ہے اس کے کٹ کے دم امتحاں لذیذ

یادداشتی پیکر: مصحفی کے بارے میں مجنوں گورکھپوری نے لکھا ہے:

"وہ بیک وقت ماضی کی یادگار اور حال کی کشاکش میں مبتلا اور مستقبل کے میلانات کا اشاریہ ہیں"[۸]

اور یہ بات درست ہے کہ مصحفی ایک بدلتے ہوئے معاشرے میں ماضی کی یادگار تھے۔ انھیں اپنے اسلاف کی قدریں بے حد عزیز تھیں۔ وہ اپنے ماضی کو بہت یاد کرتے [illegible] کہ ان کے یہاں یادداشتی پیکروں کا استعمال خصوصیت سے ہوا:

مری آنکھوں میں پھرتے ہیں جو آنسو بیچ محفل میں
چھلکتا جب کہ ساقی مجھ کو یاد آتا ہے ساغر کو

یاد ایام بے قراری دل
وہ بھی یارب عجب زمانہ تھا
اب کہاں ہم، کہاں وہ کنج قفس
کوئی دن واں بھی آب و دانہ تھا

ان اشعار میں ساغر کو چھلکتے دیکھ کر محفل کے درمیان آنکھوں سے آنسو کا گر پڑنا، ان ایام کو یاد کرنا جن میں دل بے قرار رہا کرتا تھا اور کنج قفس کو یاد کرنا، یادداشتی پیکر کو سامنے لاتا ہے۔

بصری، سماعی، ذوقی اور یادداشتی پیکروں کے علاوہ مصحفی کے کلیات میں شامی، لمسی اور حسی پیکروں کی مثالیں بھی کثرت سے ملتی ہیں۔ مختصر یہ کہ پیکر تراشی، مصحفی کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت ہے جو ان کے اسلوب بیان میں اضافہ بھی کرتی ہے اور ان کی انفرادیت کی شناخت میں بنیادی اہمیت کی حامل بھی ہے۔

حواشی:

۱۔ شمیم دہلوی، اردو غزل میں پیکر تراشی، ص ۹۔
۲۔ بہ حوالہ رفعت اختر، علامت سے امیج تک، ص ۸۲۔
۳۔ ایضاً، ص ۸۳۔
۴۔ فراق گورکھپوری، مضمون مشمولہ ماہنامہ نگار مصحفی نمبر، جنوری ۱۹۳۶، ص ۷۔
۵۔ سجاد باقر رضوی، مضمون مشمولہ کلیات مصحفی، جلد دوم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۳، ص ۶۰۔
۶۔ فراق گورکھپوری، مضمون مشمولہ ماہنامہ نگار مصحفی نمبر، جنوری ۱۹۳۶، ص ۸۔
۷۔ سید عبداللہ، ولی سے اقبال تک، اردو بازار، دہلی، سنہ اشاعت درج نہیں، ص ۷۷۔
۸۔ ایم حبیب خاں (مرتب) ولی سے آتش تک، عبدالحق اکادمی، دہلی، ۱۹۹۱، ص ۱۳۳۔

امن گیٹ، ابوکر نگر
دیوریا - 274001، یوپی

مشرقی پنجاب میں اردو کی موجودہ صورت حال

دوسری اور آخری قسط

مالک جمیل براڑ

مالیرکوٹلہ میں اردو کے تعلق سے نواب شیر محمد خاں انسٹی ٹیوٹ مالیرکوٹلہ کی خدمات بھی قابل ستائش ہیں۔ 1989 میں وجود آیا یہ ادارہ پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کا ایک ادارہ ہے۔ اس ادارے میں اردو اور فارسی میں پی ایچ ڈی، ایم۔ اے فارسی، اردو اور فارسی میں ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس اور کمپیوٹر سائنس سے جڑے مختلف کورسیز کروائے جارہے ہیں۔ اس ادارے کی جانب سے پنجاب کے حوالے سے تنقیدی و تحقیقی کام بڑے پیمانے پر کروایا گیا ہے جس سے اردو دنیا سے کٹے ہوئے مشرقی پنجاب کے قلمکاروں کی اردو خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے ساتھ ہی ان کی ادبی خدمات کو اردو دنیا میں روشناس کرایا گیا ہے۔

اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں مالیرکوٹلہ میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کی جانب سے عالیشان ماڈل ہائی اسکول میں ایک اوپن لرننگ سینٹر کھولا گیا۔ اس سینٹر کی جانب سے اردو میڈیم میں بی۔ اے، ایم۔ اے اردو، ایم۔ اے تاریخ کے علاوہ اور بھی بہت سے کورسیز کروائے جارہے ہیں۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کی جانب سے مالیرکوٹلہ کے دارالسلام مرکز میں کمپیوٹر سینٹر اور شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج مالیرکوٹلہ میں اردو ڈپلوما کورس چلائے جارہے ہیں۔

پنجاب اردو اکیڈمی مالیرکوٹلہ محبان اردو کا ایک دیرینہ خواب ہے۔ لگ بھگ 25 سالوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد پنجاب اردو اکیڈمی فعال نظر آئی ہے۔ پچھلے دس سالوں سے ویران پڑی عمارت میں دو ماہ پہلے چھ ملازم ڈی سی ریٹ پر بھرتی کیے گئے ہیں اور چند کرسیاں اور ٹیبل بھی آئے ہیں لیکن تا دم تحریر اکیڈمی کی سرگرمیاں شروع نہیں ہوئی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اکیڈمی اپنے مقاصد کی حصولیابی میں کب تک کامیاب ہوتی ہے۔

مالیرکوٹلہ میں ادبی ماحول بنانے اور نئی نسل کو اردو شعر و ادب کی جانب راغب کرنے میں یہاں کی ادبی انجمنوں کا بھی بہت اہم رول رہا ہے۔ ان ادبی انجمنوں نے جہاں مالیرکوٹلہ میں پیدا ہورہے نئے شعراء و ادبا کی نشوونما کا کام کیا وہیں مشرقی پنجاب کے مختلف شہروں میں آباد بزرگ ادیبوں کے فن پاروں کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ ان تنظیموں میں ادارہ ادب اسلامی (ہند)، پنجاب افسانہ کلب (رجسٹرڈ)، فروغ ادب، بزم ادب، لٹریری فورم پنجاب، القلم، ہمعصر، پاسداران اردو، ادبی سنگم، بزم کمال اور آبشار جیسی نہ جانے کتنی ادبی و ثقافتی تنظیمیں مختلف ادوار میں فروغ اردو کے لیے کام کرتی رہی ہیں اور آج بھی ان میں سے کئی انجمنیں اس کام میں لگی ہوئی ہیں۔ یہ تو تھا مالیرکوٹلہ میں فروغ اردو کے لیے ہورہی کوششوں کا نہایت ہی مختصر جائزہ۔

مشرقی پنجاب میں مالیرکوٹلہ سمیت 117 شہر ہیں۔ مالیرکوٹلہ کے برعکس جہاں ان شہروں میں اردو کی ایک نسل دم توڑ رہی ہے وہیں اردو کی نئی نسل پیدا نہیں ہورہی۔ ان شہروں میں اردو پڑھنے اور لکھنے والے اکا دکا افراد ستر سے اسی سال کی عمر کے بزرگ رہ گئے ہیں۔ ان حالات کے مدنظر شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اردو کے لیے گلستان بن رہے اس خطے کا واحد زرخیز جزیرہ مالیرکوٹلہ ہے۔ یہاں پر میں مشرقی پنجاب کے ان شہروں کا ذکر کرنا مناسب سمجھوں گا جہاں پر فروغ اردو کے لیے کچھ نہ کچھ ہورہا ہے۔ ان شہروں میں پٹیالہ، جالندھر، لدھیانہ، امرتسر اور چنڈی گڑھ کے نام قابل ذکر ہیں۔

پٹیالہ میں واقع پنجابی یونیورسٹی نے آزادی کے بعد مشرقی پنجاب میں فروغ اردو کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔ اس ادارے نے مالیرکوٹلہ میں واقع کالجوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام کرنے کے ساتھ ہی یونیورسٹی کیمپس میں شعبۂ فارسی، اردو اور عربی قائم کیا ہے۔ اس شعبے کی جانب سے کیے گئے تحقیقی و تنقیدی کام نے مشرقی پنجاب کے گمنام اور اردو دنیا سے کٹے ہوئے قلمکاروں کو ان کا جائز مقام دلانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ شعبۂ فارسی، اردو اور عربی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کی جانب سے پی ایچ ڈی (اردو، فارسی)، ایم۔ اے (اردو، فارسی)، اردو، فارسی اور عربی میں ایک سالہ سرٹیفکیٹ کورس، اردو فارسی ڈپلوما جیسے کورسیز چلائے جارہے ہیں۔ پنجابی یونیورسٹی کے پرائیویٹ نظام تعلیم میں اردو بطور مضمون بی۔ اے اور بی۔ ایڈ میں پڑھانے کا انتظام ہے ساتھ ہی ایم۔ اے اردو بھی پرائیویٹ طور پر کی جاسکتی ہے۔

پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ کے کیمپس میں واقع نوردرن ریجنل لینگویج سینٹر پٹیالہ بھی کئی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کا ڈپلوما کرواتا ہے۔ اس کے علاوہ گاہے بگاہے اس ادارے کی جانب سے اردو ورکشاپ اور سیمیناروں کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

پٹیالہ میں ہی واقع بھاشا وبھاگ پنجاب کی اردو خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس ادارے کی جانب سے دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کے فروغ کے لیے بھی کام کیے جاتے ہیں۔ بھاشا وبھاگ پنجاب کی جانب سے پچھلے 35 سال سے مسلسل اردو ماہنامہ "پرواز ادب" شائع ہورہا ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال تین اردو مصنفین کو کتابوں کی اشاعت کے لیے مالی تعاون دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ہر سال مشرقی پنجاب میں شائع ہونے والی اردو کتب پر راجندر سنگھ بیدی پرسکار، ساحر لدھیانوی پرسکار، حافظ محمود شیرانی پرسکار اور کنہیا لال کپور پرسکار دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سال مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے یا یہاں پر دس سال سے آباد بہترو ممتاز ادبا کو لائف ٹائم اچیومنٹ کے طور پر شرومنی ساہتیہ کار ایوارڈ سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اردو قلمکاروں کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ بھاشا وبھاگ پنجاب اردو زبان کی تعلیم کے لیے بھی کوشاں ہے۔ اس ادارے کی جانب سے پنجاب کے تقریباً بیس بڑے شہروں میں اردو پڑھنے کے سینٹر قائم ہوئے ہیں جہاں پر ہر روز شام کو مفت اردو کی کلاسیں لگائی جاتی ہیں۔ سال میں وقتاً فوقتاً مشرقی پنجاب کے مختلف شہروں میں سیمینار، مشاعرہ اور قوالی جیسے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مشرقی پنجاب میں بھاشا وبھاگ نے اردو زبان و ادب کے فروغ کے ساتھ ساتھ اس کی ادبی و ثقافتی روایتوں کی بھی پاسداری نہایت جانبداری سے کی ہے۔

پٹیالہ میں اردو تعلیم کے سلسلے میں خالصہ کالج پٹیالہ کا نام بھی جڑ گیا ہے۔ اس ادارے کی جانب سے بھی ڈپلوما اردو کا اہتمام کیا گیا ہے۔

لدھیانہ پنجاب کا ہی نہیں بلکہ شمالی ہند کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہے۔ ساحر لدھیانوی کے مسکن لدھیانہ میں اردو کا مستقبل روشن ہے۔ اس شہر میں روزگار کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے آئے لاکھوں کی تعداد میں کاریگروں میں سے ایک تہائی حصہ اردو پڑھنے اور لکھنے والوں کا ہے جن کی اردو دوستی کا ثبوت پچھلے سال لدھیانہ میں قائم ہوا اسلامیہ ہائی اسکول لدھیانہ ہے۔ اس کے علاوہ الاحرار اور ادیب انٹرنیشنل جیسی ادبی و مذہبی تنظیموں نے بھی لدھیانہ میں اردو کی شمع روشن کر رکھی ہے۔ اسلامی اخبار 'الاحرار' لدھیانہ مجلس احرار کی جانب سے شائع ہوتا ہے۔

آزادی کے بعد مشرقی پنجاب میں جالندھر اردو صحافیوں کی قیام گاہ بنا اور دیکھتے ہی دیکھتے جالندھر اردو صحافت کا مرکز بن کر ابھرا۔ یہاں سے اجیت، ملاپ، پرتاپ، ہند سماچار، جالندھر ٹائمز اور محنت جیسے اردو روزنامے منظر عام پر آئے۔ ہفتہ وار اخبارات میں ویراتیور، دوآبہ، موٹر ٹرانسپورٹ ورکرز، ہریجن، پنجاب گزٹ، بھارتی مزدور، نیولائٹ آبزرور، جتا سنسار، صدائے پنجاب، آریہ گزٹ، آریہ ویر، اجالا، انصاف، پربت، پنجاب کانگریس پتریکا اور جالندھر ٹائمز کے نام لیے جاسکتے ہیں لیکن بیسویں صدی کی آخری دہائی تک یہ بھی اخبار دم توڑ گئے۔ آج حال یہ ہے کہ روزنامہ ہند سماچار جالندھر سے شائع ہونے والا جالندھر کا ہی نہیں بلکہ مشرقی پنجاب کا واحد اردو روزنامہ بن گیا ہے۔

مشرقی پنجاب کی راجدھانی چنڈی گڑھ میں واقع پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ کے کیمپس میں شعبۂ اردو قائم ہے جہاں پر ڈپلوما اردو، ایم۔ اے اردو اور پی ایچ ڈی اردو جیسے کورسیز کرائے جارہے ہیں۔ اسی طرح امرتسر میں واقع گورو نانک دیو یونیورسٹی امرتسر میں بھی شعبۂ اردو ہے۔ اس شعبے کی جانب سے بھی ڈپلوما اردو، ایم۔ اے اردو اور پی ایچ ڈی اردو کی ڈگریاں کروائی جارہی ہیں۔ گورو نانک دیو یونیورسٹی امرتسر میں سال 2014-15 میں اردو ڈپلوما کرنے والے طلبہ کی تعداد تقریباً 70 ہے۔ مشرقی پنجاب کے چھوٹے بڑے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں دینی مدارس اچھی خاصی تعداد میں قائم ہیں جن میں مذہبی تعلیم کے علاوہ علاقائی بچوں کو عربی اور اردو بھی پڑھائی جاتی ہے۔

پنجاب وقف بورڈ ہندوستان کا امیر ترین بورڈ ہے لیکن اس کی پالیسیاں فروغ اردو کے لیے نہایت مایوس کن ہیں۔ کسی زمانے میں پنجاب وقف بورڈ کے دفتری کام اردو میں ہوتے تھے لیکن اب پنجاب وقف بورڈ میں انگریزی اور پنجابی میں دفتری کام انجام دیے جاتے ہیں۔ بورڈ کے افسران اور سیاست دانوں کی نیت اگر صاف ہوتی تو مشرقی پنجاب میں اردو یونیورسٹی یا کالج بھی قائم کیا جاسکتا تھا۔ بہرحال اس بورڈ کے زیر سرپرستی مالیرکوٹلہ کے علاوہ پٹیالہ، گوبند گڑھ، احمد گڑھ اور روپیڑ میں اسلامیہ

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

اردو دُنیا

اردو کے کتنے اساتذہ کی ضرورت ہے؟

اعلا سطحی میٹنگ میں وزیر اعلا اروند کجریوال نے ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ سے سوال کیا

نئی دہلی (23 جون)۔ دہلی سرکار کے اسکولوں میں اردو اساتذہ کے تقرر اور اردو میڈیم اسکولوں کے دیگر مسائل کو حل کرنے کے ساتھ اردو کے تعلق سے دیگر ضروری امور پر غور وفکر کے لیے آج دہلی سکریٹریٹ میں ایک اعلا سطحی میٹنگ طلب کی گئی جس کی صدارت وزیر اعلا اروند کجریوال نے کی۔ میٹنگ میں تبادلۂ خیال کے بعد کجریوال نے ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کو ہدایت دی ہے کہ وہ تمام اسکولوں کو سرکلر جاری کرکے اس بات کا پتا لگائے کہ اردو کے کتنے اساتذہ کی ضرورت ہے۔

میٹنگ کے آغاز میں اردو اکادمی کے سکریٹری انیس اعظمی نے ان اسکولوں کی تفصیلات پیش کیں جہاں اردو اساتذہ کی مسلسل کئی سال سے کمی چلی آرہی ہے۔ ان میں اردو میڈیم اسکولوں کے علاوہ، اسکول بھی شامل ہیں جہاں اردو صرف ایک سبجیکٹ کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ انھوں نے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے وزیر اعلا کو بتایا کہ کس طرح سے گزشتہ 20 سال میں محض 9 اردو اساتذہ کا تقرر کیا گیا ہے جب کہ اس عرصے میں بہت بڑی تعداد میں اردو اساتذہ ریٹائر ہوگئے ہیں اور کئی کا دوران ملازمت ہی انتقال ہوگیا۔ ان کی وجہ سے خالی ہوئی اسامیوں پر کوئی تقرری نہیں کی گئی۔ وزیر اعلا نے اس سلسلے میں ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کے افسران سے وضاحت چاہی تو انھوں نے ہمیشہ کی طرح تاویلات پیش کرکے پہلو تہی اختیار کرنے کی کوشش کی۔

تمام صورت حال کو دیکھنے کے بعد کجریوال نے ایجوکیشن ڈائرکٹوریٹ کو ہدایت دی کہ وہ تمام اسکولوں میں ایک سرکلر بھیج کر یہ معلوم کرائے کہ ان اسکولوں میں اردو کے کتنے اساتذہ کی ضرورت ہے۔ سکریٹری اکادمی نے وزیر اعلا کو مزید بتایا کہ گزشتہ برسوں میں اسکولوں کے داخلہ فارم میں دوسری زبان کا بھی ایک کالم ہوتا تھا، جس کو اس سال سے ختم کردیا گیا ہے۔ اس پر کجریوال نے افسران کو ہدایت دی کہ ان باتوں پر نظر رکھی جائے اور ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے جس سے یہ ظاہر ہو کہ سرکار کسی کے ساتھ زیادتی یا جانب داری کررہی ہے۔

معروف ماہر تعلیم ڈاکٹر شبانہ نذیر نے اس موقع پر تجویز پیش کی کہ اردو اسکولوں کے معیار میں بہتری لانے کے لیے اردو میڈیم اسکول کا پرنسپل اردو سے واقف استاد کو ہی بنایا جائے۔ اگر اس طرح کے اہل کار محکمۂ تعلیم کے پاس نہ ہوں تو یو پی ایس سی (UPSC) سے کہہ کر تقرر کرایا جاسکتا ہے۔ اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر خالد محمود نے تحریری تجاویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ چوں کہ اردو کو دہلی میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے، اس لیے ہر دفتر میں ایک اردو مترجم مقرر کیا جانا چاہیے۔ دہلی سرکار کے اردو سیل میں اردو آفیسر اور اردو مترجم کی خالی اسامی کو فوراً پُر کرایا جائے، دہلی سرکار کے انفارمیشن اینڈ پبلسٹی ڈپارٹمنٹ میں گزشتہ کئی سال سے خالی اردو مترجم کی اسامی کو بھی پُر کرایا جائے۔ انھوں نے کہا کہ اردو پریس آفیسر کی تقرری اس لیے بھی بہت ضروری ہے تاکہ سرکار کو اردو اخبارات میں شائع اردو والوں کی ضرورتوں کا اندازہ ہوسکے۔ اسی طرح سرکار کے لینڈ اینڈ بلڈنگ اور ریونیو ڈپارٹمنٹ میں بھی اردو مترجم کا ہونا لازمی ہے کیوں کہ دہلی کا پرانا ریکارڈ آج بھی اردو میں ہی ہے۔ انیس اعظمی نے وزیر اعلا سے اردو اخبارات کی صورت حال بیان کرتے ہوئے گزارش کی کہ اردو اخبارات کو سرکاری اشتہارات جاری کرنے کے لیے واضح پالیسی مرتب کی جائے اور اشتہارات جاری کرنے میں زبانوں کے لحاظ سے کوئی تفریق نہیں برتی جانی چاہیے۔ تمام مطالبات کو پوری غور سے سننے کے بعد اروند کجریوال اور کپل مشرا نے یقین دہانی کرائی ہے کہ ان تمام مسائل پر بہت جلد مثبت فیصلے لیے جائیں گے اور اردو کو بہ حیثیت دوسری سرکاری زبان وہ ساری مراعات حاصل ہوں گی جو گزٹ میں درج ہیں۔

واضح ہو کہ اردو اکادمی کی گورننگ کونسل کی میٹنگ میں اردو اساتذہ کی تقرری نہ کیے جانے کے ایشو شدت سے اٹھائے جانے کے بعد وزیر اعلا نے آج کی میٹنگ بلانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس میٹنگ میں دہلی سرکار کے وزیر فن و ثقافت و السنہ کپل مشرا، سکریٹری آرٹ اینڈ کلچر محترمہ گیتانجلی گپتا، سکریٹری ایجوکیشن پونیا سلیلا، ڈائرکٹر ایجوکیشن پدمنی سنگھلا، اردو اکادمی کے چیئرمین پروفیسر خالد محمود، اکادمی کی تعلیمی کمیٹی کی کنوینر ڈاکٹر شبانہ نذیر اور سکریٹری اردو اکادمی انیس اعظمی نے شرکت کی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

ساہتیہ اکادمی کے یووا پُرسکار، بال ساہتیہ پُرسکار اور بھاشا سمان 15-2014 کا اعلان

اردو میں بال ساہتیہ پُرسکار کے لیے ڈاکٹر بانو سرتاج اور یووا پُرسکار کے لیے نوجوان شاعر امیر امام کی کتاب کا انتخاب

نئی دہلی (24 جون)۔ ساہتیہ اکادمی کے یووا ایوارڈ اور بال ساہتیہ ایوارڈ 2014 اور 2015 کا اعلان کیا جاچکا ہے۔ اردو میں یووا ایوارڈ کے لیے نوجوان شاعر امیر امام کی کتاب 'نقش پا ہواؤں کے' کو منتخب کیا گیا ہے جب کہ ادب اطفال کے لیے معروف ادیبہ ڈاکٹر بانو سرتاج گوان کی کتاب 'بچوں کے لیے یک بابی ڈرامے' پر دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ساہتیہ اکادمی نئی دہلی سے جاری ایک پریس ریلیز کے مطابق ساہتیہ اکادمی کے صدر وشوناتھ پرساد تیواری کی صدارت میں آج ساہتیہ اکادمی کی مجلس انتظامیہ کی میٹنگ گوہاٹی میں ہوئی جس میں 23 ہندوستانی زبانوں کے لیے یووا ایوارڈ جب کہ 24 ہندوستانی زبانوں کے لیے بال ساہتیہ پُرسکار (ادب اطفال ایوارڈ) 2015 کے لیے کتابوں کے انتخاب کو منظوری دی گئی۔ یہ ایوارڈ یکم جنوری 2009 سے 31 دسمبر 2013 کے دوران پہلی بار شائع ہونے والی کتابوں پر دیا گیا۔

یہ ایوارڈ پچاس ہزار روپے اور توصیف نامے پر مشتمل ہے۔ یووا ایوارڈ کے جیوری ممبران میں خالق انجاکی، جناب عالم اور ماہر منصور شامل تھے۔ میٹنگ کی سربراہی اردو مشاورتی بورڈ کے کنوینر چندر بھان خیال نے کی۔ اس سال کشمیری میں ایوارڈ نہ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ ایوارڈ ان کتابوں کے لیے دیے گئے ہیں جن کے لکھنے والوں کی عمر یکم جنوری 2015 کو 35 سال یا اس سے کم ہے۔ یہ ایوارڈ پچاس ہزار روپے اور توصیف نامے پر مشتمل ہے۔ اس بار بھاشا سمان ڈاکٹر کے۔ جناکشی سندرم، آچاریہ مونیشور جھا، چارو چندر پانڈے اور جتورا رے صنمپال کو دینے کا اعلان کیا گیا۔ تمام ایوارڈ کو جلد ہی ساہتیہ اکادمی کی پروقار تقریب میں ایوارڈز سے نوازا جائے گا۔

واضح رہے کہ امیر امام کا شمار اردو کے ذہین نوجوان شاعروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے بہت کم وقت میں اپنی پہچان بنائی ہے۔ ان کی شاعری ادبی، علمی اور فکری حلقوں سے داد وتحسین وصول کرچکی ہے۔ ڈاکٹر بانو سرتاج کی بچوں کے لیے اب تک 28 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں 'دنیا کارٹون اور کامک کیرکٹرز کی'، 'جنگل میں منگل'، 'کیا اور بری بگم'، 'کہانی میں کہانی چڑیوں کی کہانی'، 'مرغے میاں کی ککڑوں کوں' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بانو سرتاج گزشتہ تیس برسوں سے ہر عمر کے بچوں کے لیے کتابیں لکھ رہی ہیں۔ انھوں نے بچوں کے لیے نظموں کے ساتھ ڈرامے اور ناول بھی لکھے ہیں۔ صدر جمہوریہ سے دو بار ایوارڈ پاچکی ہیں۔ مہاراشٹر اسٹیٹ سے بھی انھیں کئی بار ایوارڈ سے نوازا جاچکا ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

ڈائرکٹر آف اسکول ایجوکیشن میں اردو آفیسر کا عہدہ بحال کیا جائے

حیدرآباد (15 جون)۔ اسٹیٹ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن تلنگانہ (سوٹا) کے قائدین محمد عبدالحلیم، محمد انوار الباقی، محمد عبدالجبار، محمد خواجہ معین الدین، ساجد محی الدین، محمد عبداللہ بن صدیقی، محمد صدیق احمد اور خواجہ فاروق الدین واجد نے کہا کہ کمشنر و ڈائرکٹر آف اسکول ایجوکیشن تلنگانہ میں 18 سال سے اردو سیل قائم ہے اور اسپیشل آفیسر اردو کا منظورہ عہدہ بھی موجود ہے۔ لیکن گزشتہ سال آندھرا کے ایک عہدیدار نے اس منظورہ اسامی کی محو آشن دی نہیں کی۔ لہٰذا چیف منسٹر سے درخواست ہے کہ وہ اردو سیل کی موجودگی کو یقینی بنائیں اور اس عہدے کو بھی بحال کیا جائے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

تقرری کا حکم نامہ جاری ہونے تک دھرنا جاری رہے گا

ٹی ای ٹی پاس معلم اردو ایسوسی ایشن اتر پردیش کا اعلان

لکھنؤ (28 جون)۔ ٹی ای ٹی پاس معلم اردو ایسوسی ایشن اتر پردیش کے زیر اہتمام لکشمن میلہ میدان میں 35 ویں دن بھی دھرنا جاری رہا۔ دھرنے کی قیادت ایسوسی ایشن کے ریاستی صدر ارشاد ربانی نے کی اور نظامت محمد اسلم قدوس بارہ بنکوی نے کی۔ اس موقع پر دھرنے کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ربانی نے کہا کہ ہماری ایسوسی ایشن نے جب یہاں پر دھرنا شروع کیا تھا اس وقت معلم اردو کی بھرتی کے سارے راستے بند تھے۔ اس دھرنے سے سب سے بڑا یہ فائدہ ہوا ہے کہ اب معلم اردو کی بھرتی کے سارے راستے کھل چکے ہیں۔ اب بھرتی میں کسی طرح کا کوئی رخنہ یا پریشانی نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے بھرتی کو رکوانے کے لیے بھرپور کوشش کی۔ معلمین اردو بھرتی کے لیے یقینی ہوجانے کے لیے حکومت کے ذمہ داران کو رضامند کرلیا ہے اور امید ہے کہ 30 جون تک وزیر اعلا کے بیسک ایجوکیشن سکریٹری پارسناتھ سین شرما کی ہدایت پر عمل درآمد ہوتے ہی سارے بی ایس اے خالی اردو ٹیچروں کی سیٹوں کی تفصیل ڈائرکٹر آف بیسک ایجوکیشن یوپی کو بھیج دیں گے اور اس کے بعد 4 جولائی کو معلم اردو کی بھرتی کے لیے بہت اہم میٹنگ ڈائرکٹر آف بیسک ایجوکیشن کے دفتر میں ہوگی اور اس میں بھی ٹی ای ٹی پاس معلم کی بھرتی میں اہم فیصلے لیے جانے کا امکان ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا دھرنا یہاں سے بھی تب تک جاری رہے گا جب تک بھرتی کے لیے حکم نامہ جاری ہوجائے گا۔ اس موقع پر فاطمہ حنیف، سلمیٰ بانو اور محمد اسلم قدوس کا کہنا تھا کہ رمضان میں روزہ رکھ کر اپنے حق و انصاف کے لیے دھرنا دینے سے ہم لوگوں کے اندر روحانی توانائی میں اضافہ ہوا ہے۔ آج کے دھرنے میں محمد ندیم، احمر میاں ندوی، صبیح الدین ندوی وغیرہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

سرکاری نصابی کتابوں کی عدم دستیابی

حیدرآباد (15 جون)۔ گرمائی تعطیلات کے بعد اسکولوں کی کشادگی کے باوجود بازار میں سرکاری نصابی کتابیں ابھی تک دستیاب نہیں ہیں۔ تلنگانہ کی حکومت نے تمام اسکولوں کے لیے اول تا دسویں جماعت اس سال سے صرف سرکاری نصابی کتابوں کے استعمال کو لازمی قرار دیا ہے۔ اس نے پرائیویٹ کتابوں کو پڑھانے پر اسکولوں کی مسلمہ حیثیت منسوخ کرنے کا انتباہ دیا جس سے ان اسکولوں کے لیے سرکاری کتابوں کے حصول کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ تاہم بازار میں سرکاری کتابیں اب تک دستیاب نہیں ہے۔ ساتویں تا دسویں جماعت کی بعض نصابی کتابیں دستیاب ہیں لیکن اول تا چھٹی جماعت کے طلبہ کے لیے کتابیں دستیاب نہیں ہیں۔ حکومت نے پرائیویٹ پبلشرز کو کتابوں کی طباعت و تقسیم کی ذمہ داری دی ہے جو بروقت کتابیں پہنچانے میں ناکام ہوگئے ہیں حالاں کہ اس کے لیے کتابوں کی دکانوں سے آرڈرس و رقوم حاصل کی گئی ہیں۔ والدین نے اس بات کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کو سرکاری نصابی کتابوں کے لیے بازاروں کے چکر لگانے پڑ رہے ہیں لیکن بازاروں میں سرکاری نصابی کتابیں دستیاب نہیں ہیں جس سے ان کے بچوں کی تعلیم متاثر ہورہی ہے۔ دوسری طرف پرائیویٹ پبلشرز کا کہنا ہے کہ بازاروں میں سرکاری نصابی کتابوں کی دستیابی کے لیے مزید دو ہفتوں کا وقت لگے گا۔ اس سلسلے میں جب ربط پیدا کیا گیا تو ڈائرکٹر گورنمنٹ ٹیکسٹ بک پریس پی سدھا کر نے کہا کہ پرائیویٹ پبلشرز کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ نصابی کتابوں کی تیز تر تقسیم کریں۔ انھوں نے کہا کہ تلگو اور سماجی علم کے نصاب کی تبدیلی کے سبب کتابوں کی طباعت میں تاخیر ہورہی ہے۔ چھٹی تا دسویں جماعت کی کتابوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے، اول تا پانچویں جماعت کی کتابیں جلد ہی دستیاب کی جائیں گی اور متعلقہ ڈی اوز سے خواہش کی گئی ہے کہ وہ اس سلسلے میں اقدام کریں۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

گورنمنٹ ڈگری کالج تانڈور میں مستقل لکچررس نہیں

حیدرآباد (15 جون)۔ جناب اکبر الدین اویسی (ممبر اسمبلی) نے چیف منسٹر تلنگانہ کے چندر شیکھر راؤ کو مکتوب روانہ کرکے مطالبہ کیا ہے کہ ضلع رنگا ریڈی کے تانڈور میں گورنمنٹ ڈگری کالج (اردو میڈیم) میں فوری مستقل لکچررس کی تقرری کے علاوہ درکار انفراسٹرکچر فراہم کیا جائے۔ جناب اکبر الدین اویسی نے چیف منسٹر کو بتایا کہ تانڈور کے گورنمنٹ ڈگری کالج میں تعلیمی سال 2010-11 سے بی کام کا اردو میڈیم کورس پڑھایا جارہا ہے لیکن کوئی مستقل لکچررس کی تقرری نہیں کی گئی، جس کی وجہ سے طلبہ کو مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مجلسی قائد نے کہا کہ اردو میڈیم سیکشن میں طلبہ کی خاطر خواہ تعداد دستیاب ہے جنہیں حصول تعلیم میں مشکلات پیش آرہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سابق میں بھی اس کالج میں مستقل لکچررس کی تقرری کے لیے نمائندگی کی گئی لیکن کوئی کارروائی سامنے نہیں آئی۔ انھوں نے کہا کہ نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوگیا ہے اور اس کالج میں ڈگری کورسس میں داخلے جاری ہیں۔ انھوں نے چیف منسٹر سے کہا کہ وہ متعلقہ حکام کو مستقل لکچررس کی تقرری کی ہدایت دینے کے ساتھ گورنمنٹ ڈگری کالج تانڈور میں مناسب اسٹاف، انفراسٹرکچر اور دوسری سہولتوں کی دستیابی کو یقینی بنائیں۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

بھوٹ بگان اردو جونیر گرلس ہائی اسکول کی عمارت جلد تعمیر ہوگی

کسبہ کے بھوٹ بگان اردو جونیر گرلس ہائی اسکول کی بنیاد گرچہ دسمبر 2010 میں رکھی گئی لیکن حکومت سے منظور شدہ اس اسکول کی تعمیر عمارت کے لیے فنڈ نہ ہونے کے سبب یہاں درس و تدریس کا سلسلہ شروع نہیں ہوا۔ اس اسکول کی طالبات کو مورننگ سیکشن میں بیلوری انگلش میموریل ہائی اسکول (ایچ ایس) کی عمارت میں تعلیم دی جاتی رہی ہے، لیکن اب اسکول کی عمارت کے لیے مختلف ذرائع سے رقم اکٹھا کرلی گئی ہے۔ ہائی میونسپلٹی کے اپوزیشن لیڈر ریاض احمد کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اسکول کے لیے تقریباً 30 لاکھ روپے کا فنڈ اکٹھا ہوگیا ہے۔ ریاض احمد نے اس کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ ریاستی محکمہ برائے اقلیت و مدرسہ امور کی جانب سے 16.66 لاکھ روپے ملے۔ واضح ہو کہ ریاستی وزیر اعلیٰ محترمہ ممتا بنرجی خود اس وزارت کی دیکھ ریکھ کرتی ہیں۔ راجیہ سبھا کے ایم پی جناب محمد ندیم الحق کے ایم پی فنڈ سے 6 لاکھ روپے، ہوڑہ کے ایم پی شری پرسون بنرجی کی جانب سے 7 لاکھ روپے اور سروشکشا مشن کی جانب سے فاضل کلاس روم کی تعمیر کے لیے 4.5 لاکھ روپے کا فنڈ اسکول کے اکاؤنٹ میں آیا ہے۔ ریاض احمد نے مزید کہا کہ اس اسکول کے باؤنڈری وال کے لیے ہائی میونسپلٹی کی جانب سے 2.66 لاکھ روپے مختص کیے گئے ہیں۔ فاضل کلاس روم کی تعمیر پر آنے والے خرچ کے تخمینہ کے لیے ہائی میونسپلٹی کی ایک ٹیم نے اسکول کی پیمائش کی۔ اس ٹیم کی قیادت پی ڈبلیو ڈی محکمہ کے انچارج باسودیب داس نے کی۔

ریاض احمد نے کسبہ میں تعلیم کو فروغ دینے والے افراد کے ساتھ ایک میٹنگ کرکے بھوٹ بگان گرلس اردو جونیر ہائی اسکول کے لیے فنڈ دینے والے علم دوست افراد کا شکریہ ادا کرتے ہوئے علاقے میں تعلیمی ماحول کو مزید بہتر بنانے کی اپیل کی۔ اس میٹنگ میں ریاض احمد کے علاوہ ادارہ مجلس اتحاد کے اشفاق احمد، محمد وکیل، عالیہ ویلفیئر سوسائٹی کے محمد شکیل صلاح الدین، حاجی محمد اسلام، ہند مسلم سوسائٹی کے معین الحق، لال محمد، عبد الرشید، محمد نسیم، چاند اسپورٹنگ کلب کے شکیل احمد، بیلدار عید میلاد النبی سنٹرل کمیٹی کے محمد نعیم انصاری، محمد اسلم، انور علی، کسبہ فٹ بال اکیڈمی کے افروز احمد، طارق انور، بیلوری انگلش میموریل اردو ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور دیگر علم دوست حضرات موجود تھے۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

اردو زبان کے ساتھ عہدیداروں کی لاپرواہی جاری

نظام آباد کے محبان اردو کی شکایت

نظام آباد، تلنگانہ (16 جون)۔ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہونے کے باوجود اس کی عمل آوری میں عہدیداروں کی جانب سے لاپرواہی و تساہل برتی جارہی ہے جس کی وجہ سے محبان اردو میں مایوسی پائی جارہی ہے۔ تلنگانہ کے قیام کے بعد اردو کی ترقی کی توقع کی جارہی تھی لیکن حکومت کی جانب سے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف عطا کیے جانے کے باوجود بھی اس پر عمل

(بقیہ صفحہ 7 پر)

محکمہ تعلیم میں اردو کا الگ شعبہ قائم کرنے کا مطالبہ

نئی دہلی (24 جون)۔ اردو داں طبقے نے دہلی میں 21 اردو میڈیم اسکولوں کے مستقبل کے تعلق سے تشویش کا اظہار کیا ہے، کیوں کہ 1995 کے بعد سے اردو سبجیکٹ اساتذہ کی عدم تقرری کے باعث یہ اسکول بند ہونے کے دہانے پر ہیں اور بیشتر اسکولوں میں اردو میڈیم کے طلبہ کو ہندی میڈیم کے اساتذہ پڑھا رہے ہیں۔ یہ بات دہلی اردو سوسائٹی کے کنوینر فرید احمد نے کہی۔

فرید احمد نے بتایا کہ وزیر اعلیٰ اروند کجریوال نے گزشتہ روز محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسران کے ساتھ میٹنگ کے دوران ان سے یہ پتا لگانے کو کہا ہے کہ اسکولوں میں کتنے اردو اساتذہ درکار ہیں؟ جب کہ دہلی کے ماہرین تعلیم کئی بار نہ صرف وزیر اعلیٰ بلکہ وزیر تعلیم کو بھی تحریری طور سے تمام صورت حال سے آگاہ کرچکے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ دہلی سرکار کے اردو میڈیم اسکولوں میں ریاضی، سائنس، سماجی علوم اور دیگر مضامین بذریعہ اردو زبان پڑھانے والے اساتذہ نہیں ہیں، جس کے نتیجے میں اردو طلبہ یہ مضامین ہندی زبان میں پڑھنے پر مجبور ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ دہلی کے تقریباً 700 اسکولوں میں طلبہ تیسری زبان کے طور پر اردو پڑھنے کے خواہش مند ہیں ان اسکولوں میں بھی اردو اساتذہ نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ 15 سال تک شیلا دکشت سرکار محض یقین دہانیاں کراتی رہی اور عملی طور سے کچھ نہیں کیا اب موجودہ سرکار بھی اسی راہ پر چلتی نظر آرہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جہاں تک بات محکمہ تعلیم کے افسران سے رپورٹ طلب کرنے کی ہے تو اردو میڈیم اور دیگر اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری نہ ہونے کے لیے یہی افسر ذمہ دار ہیں، ایسے میں ان سے اس بات کی توقع ہی فضول ہے کہ وہ وزیر اعلیٰ کے سامنے اردو کے تعلق سے صحیح اعداد و شمار پیش کریں گے۔ انھوں نے کہا کہ اردو طبقہ چاہتا ہے کہ اردو کے مسائل کے حل کے لیے محکمہ تعلیم میں الگ سے ایک شعبہ قائم کیا جائے جس میں تمام افسران اردو داں ہوں اور انھیں آزادانہ کام کرنے کی چھوٹ ہو تب ہی حالات کچھ بہتر ہوسکیں گے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

بی این این کالج میں اردو کے ساتھ ہورہی ناانصافی کا معاملہ

بھیونڈی، مہاراشٹر (29 جون)۔ یہاں کے بی این این کالج میں اردو کے ساتھ ہورہی ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے ایم پی سی سی کے سکریٹری فاضل انصاری کی قیادت میں ایک وفد نے پرنسپل ڈاکٹر واگھ سے ان کے دفتر میں ملاقات کی۔ وفد نے پرنسپل سے کالج میں اردو کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ختم کرنے کی کوششوں پر احتجاج کیا۔ پرنسپل نے وفد کو یقین دلایا کہ اردو کالج میں جاری رہے گی اور جو بھی طالب علم اردو بہ طور اختیاری مضمون لینا چاہے وہ لے سکتا ہے۔

واضح ہو کہ بی این این کالج انتظامیہ منصوبہ بند طریقے سے داخلہ فارم سے اختیاری مضامین کی فہرست سے اردو کو حذف کردیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ انتظامیہ داخلہ فارم سے اردو کو غائب کرکے طالب علموں کو یہ پیغام دینا چاہتی تھی کہ کالج میں صرف ہندی اور مراٹھی کو ہی اختیاری مضمون کے طور پر لیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں پیر کو انقلاب میں تفصیلی رپورٹ شائع ہونے کے بعد ایم پی سی سی کے سکریٹری فاضل انصاری، آصف اعظمی، انور انصاری، عرفان جلیل اور یعقوب انصاری پر مشتمل ایک وفد پیر کو کالج کے پرنسپل ڈاکٹر واگھ سے ان کے دفتر میں ملاقات کرکے کالج انتظامیہ کی من مانی اور اردو دشمنی پر ان سے جواب طلب کیا۔

پرنسپل واگھ نے وفد کو بتایا کہ چوں کہ انھوں نے ابھی جلد ہی پرنسپل کا چارج لیا ہے، جس کے سبب وہ معاملے کو ٹھیک سے سمجھ نہیں سکے۔ داخلہ فارم میں اردو کا شائع نہ ہونا صرف ایک 'پرنٹنگ مسٹیک' ہے۔ ڈاکٹر واگھ نے یقین دلایا کہ وہ جلد ہی اس غلطی کی اصلاح کرلیں گے، نیز اردو بی این این کالج میں پہلے کی طرح جاری رہے گی اور طلبہ اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے لے کر تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔

فاضل انصاری نے انقلاب کے توسط سے شہریوں سے درخواست کی ہے کہ بی این این کالج میں اردو کو زندہ رکھنے کے لیے زیادہ سے زیادہ طلبہ کو اختیاری مضمون بہ اردو لینے کی صلاح دیں، جس سے انتظامیہ چاہ کر بھی اپنے کیمپس سے اردو کا خاتمہ نہ کرسکے۔ انھوں نے مزید کہا کہ پرنسپل نے اگر اپنا وعدہ پورا نہیں کیا تو وہ بڑے پیمانے پر تحریک کا آغاز کریں گے۔

(انقلاب۔ دہلی)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : تحریریں
مصنف : احمد وصی
ضخامت : ۹۶ صفحات
قیمت : ۱۰۰ روپے
ملنے کا پتا : K-304، مجوکر، پپ ہاؤس اندھیری (مشرق) ممبئی-93
تبصرہ نگار : ابوصارم صارم

زیرِ تبصرہ کتاب 'تحریریں' احمد وصی صاحب کے 14 مضامین پر مشتمل ہے جس کا انتساب انھوں نے اپنے استاذ محترم پروفیسر احتشام حسین کی یاد کے نام کیا ہے۔ احمد وصی شاعر ہیں، بچوں کے لیے بھی لکھتے ہیں اور مشہور فلمی نغمہ نگار بھی ہیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ۱۹۹۳ء میں 'بہتا پانی' کے عنوان سے، دوسرا مجموعہ ۲۰۰۳ء میں 'جگنو میرے ساتھ ساتھ' اور بچوں کی نظموں پر مشتمل مجموعہ 'تتلیاں' ۲۰۰۸ء میں منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

'تحریریں' احمد وصی کی پہلی نثری کتاب ہے جس میں مضامین کے علاوہ انشائیے، دیباچہ، اداریے، خاکے، سفرنامہ اور ریڈیائی ڈرامہ شامل ہیں۔ کتاب کے آغاز میں مصنف نے ایک مختصر سا مضمون 'تحریریں کے لیے تحریر' میں لکھا ہے کہ "تحریریں میں شامل اپنی تحریروں کو میں نثر پارے کہنا ہی مناسب سمجھتا ہوں کیوں کہ موضوعات اور اندازِ تحریر کے لحاظ سے شاید ان سب پہ 'مضمون' لفظ کا اطلاق نہ ہو سکے"۔

کتاب کے پہلے مضمون 'ذکر ان کا ای بہانے سے' میں انھوں نے انورادھا شرما کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ خوب صورت جملوں سے سجے اس مضمون کا یہ اقتباس دیکھیے:

"درمیانہ قد، قبول صورت، کھلتا ہوا رنگ، گلے اور ہاتھوں میں زیورات، کٹی زلفیں، ماتھے پر بندیا کا چمکتا ہیرا، بولتی آنکھیں، ہونٹوں پر سرخی کی تہ جمی ہوئی، جسم تیلے بلاؤز اور نیلی ساڑی میں ڈھکا ڈھکا مگر کچھ کھلا کھلا بھی۔ آواز میں کھردرا پن ضرور مگر زبان ستھری بالکل لکھنوی لہجہ۔ مجھے لگا میرے سامنے شام اودھ مسکرا رہی ہے"۔

اس اقتباس کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ احمد وصی کی نثر کا انداز بھی شاعرانہ ہے۔

'ماس میڈیا اور اردو' ایک معلوماتی مضمون ہے جس میں مصنف نے اردو رسم الخط پڑھنے والوں کی کم ہوتی تعداد پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ 'نغمہ نگاری سے میری یاری' میں احمد وصی نے اپنی ان خاص نظموں کا ذکر کیا ہے جس میں انھوں نے خوب صورت گیت لکھے ہیں وہیں 'پریم چند اور کربلا' میں انھوں نے پریم چند کے ڈرامے کربلا کا خوب صورت انداز میں ذکر کیا ہے۔ 'کئی سر والا آدمی رام پنڈت' بھی ایک دل چسپ مضمون ہے جس میں احمد وصی صاحب نے اپنے دوست رام پنڈت کے بارے میں لکھا ہے "رام پنڈت کے ایک سر میں اتنے سودے ہیں کہ کئی سر دکھائی دیتے ہیں"۔ یعنی مختلف مزاجوں سے پُر شخصیت۔

'پابند نظم اور بڑھتی دوریاں' بھی ایک اچھا مضمون ہے بلکہ اس مضمون کو پابند نظم کا نوحہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت پابند نظم پر آزاد نظم پوری طرح سے حاوی ہے۔ اور شعرا کو پابند نظم کی طرف خاص طور پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

'تیرے سر میرے گیت' ایک دیباچہ ہے جسے مصنف نے سراج زیبائی کے مجموعے کے لیے تحریر کیا تھا۔ وہیں سیتاپور سے نکلنے والے رسالے 'تہذیب' پر بھی ایک مضمون 'تہذیب ایک رسالہ ایک تہذیب' کو بھی کتاب میں جگہ دی گئی ہے۔ 'بچوں کے لیے لکھنا' میں مصنف نے لکھا ہے کہ "بچوں کا ادب لکھنے کے لیے خود بچہ بننا پڑتا ہے مگر کیا بچہ؟ وہ جس کو مشکل سے مشکل بات مزے میں کہنی آتی ہو، بچوں کے لیے لکھنا مستقبل سے بات کرنا ہے یہ تو میاں پیغمبری کام ہے"۔

'نام سیتاپوری: کچھ یادیں' یہ مضمون وصی صاحب نے اپنے چچا کے لیے لکھا ہے جس میں انھوں نے کئی دل چسپ قصے بیان کیے ہیں۔ ایک اور دل چسپ تنقیدی مضمون 'تمجید' کو کتاب میں جگہ دی گئی ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے ان شاعروں اور ادیبوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو تکگر بندیوں میں چھپنے کے مرض میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں۔

انیس ماسے جان عبرت کے قلم بند کیے ڈرامے 'ڈرامہ نگار عبرت' پر بھی مصنف نے دل چسپ اور پُر مغز گفتگو کی ہے۔ کتاب میں ایک سفرنامہ بہ عنوان 'ہم بھی وہ دن خواب سا دیکھ آئے ہیں شہر بہار' اور ایک ریڈیائی ڈرامہ 'ہیری اور چمپا' بھی شامل ہیں۔

اس کتاب کی ایک اچھی بات یہ بھی ہے کہ مصنف نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کون سا مضمون کب اور کس میگزین میں شائع ہوا ہے۔

میں آخر میں یہ ضرور کہوں گا کہ قارئین کو ان تحریروں کا مطالعہ کرکے لطف اندوز ہونا چاہیے۔

●●●

نام کتاب : انشائیے کی روایت مشرق ومغرب کے تناظر میں
مصنف : محمد اسداللہ
ضخامت : ۳۲۰ صفحات
قیمت : ۲۷۳ روپے
ملنے کا پتا : صالحہ بک ٹریڈرس نزد جامع مسجد، مومن پورہ ناگپور (مہاراشٹر)
تبصرہ نگار : امیر حمزہ
ameerhamzah033@gmail.com

محمد اسداللہ کا شمار ملک کے چند اہم قلمکاروں میں ہوتا ہے۔ طنزیہ مزاحیہ و انشائیہ قلم کار کی حیثیت سے ان کی شناخت ملک کے طول و عرض میں قائم ہو چکی ہے۔ ان کی اب تک تقریباً ۱۵ تصانیف منظرِ عام پر آکر ادیبوں اور ناقدین کے درمیان اپنا مقام حاصل کر چکی ہیں۔

انشائیے کی تاریخ و تنقید پر اس سے قبل کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ پھر بھی مصنف کو اس جانب دلی رغبت ہوئی کہ وہ اردو انشائیے کی روایت کے ساتھ ساتھ مشرق ومغرب میں انشائیے کی روایت پر ایک جامع کتاب ترتیب دیں جس میں اس صنفِ سخن پر سیر حاصل گفتگو کی جائے۔ اس کے لیے مصنف نے اس کتاب کو پانچ بنیادی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا "باب انشائیہ کیا ہے" میں انھوں نے لفظ انشاء سے بحث کی ہے اور انشائیے کی اصطلاح کا تعین کرتے ہوئے انشائیے کی ایک جامع تعریف پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انشائیے کی شناخت کے لیے اس کے نقوش کی نشاندہی اور اس کی اساسی خصوصیات کو دریافت کیا ہے۔ مصنف نے اس باب میں انشائیے کی زبان میں لطافت، شگفتگی اور اسلوب کی تازگی پر روشنی ڈالی ہے۔

دوسرا باب "مغرب میں انشائیے کی روایت" ہے۔ اس باب میں انھوں نے مغرب میں انشائیے کی روایت کو تلاش کرتے ہوئے مانٹین، بیکن، ابراہم کاول، رچرڈ اسٹیل، جوزف ایڈیسن، ولیم ہیزلٹ، جانسن، جوناتھن، سوفٹ، گولڈ اسمتھ وغیرہ جیسے مغربی انشائیہ نگاروں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

تیسرے باب میں مصنف نے اردو میں انشائیے کے اولین نقوش کو تلاش کیا ہے۔ جس کے تحت سرسید احمد خان، خطوطِ غالب، ماسٹر رام چندر اور خصوصی طور پر عہدِ سرسید میں انشائیہ نگاری کے نقوش کو سامنے لایا ہے۔ اس باب میں مصنف جب انشائیے کا پہلا نقش تلاش کرتے ہیں تو وہ اردو کی پہلی ادبی نثری تخلیق سب رس میں ایک دو مقام پر نہیں بلکہ متعدد مقام پر انشائیے کے نقوش کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کے بعد خطوطِ غالب سے لے کر قیامِ آزادی تک کئی کتابوں میں انشائیے کے نقوش کو مصنف نے واضح کیا ہے۔

اس کے بعد مصنف بیسویں صدی میں انشائیہ نگاری کے ارتقا کو پیش کرتے ہیں۔ جس طریقے سے انیسویں صدی اردو شاعری کا عہدِ زریں کہلاتا ہے۔ اسی طریقے سے بیسویں صدی بھی اردو نثر کا عہدِ زریں ہے اور انشائیے کا عہدِ زریں بھی یہی عہد ہے۔ جس میں مصنف ان انشائیہ نگاروں کا ذکر کرتے ہیں۔ مہدی افادی، مولانا ابوالکلام آزاد، فلک پیما، خواجہ حسن نظامی، فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کرشن چندر، اکبر علی قاصد، مشتاق احمد یوسفی، مجتبیٰ حسین وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کے انشائیوں پر ایک مختصر تنقیدی و تجزیاتی تحریر اور ان کے انشائیوں کے اقتباسات بھی پیش کرتے ہیں۔

آخری باب عصری انشائیے پر ہے۔ اس باب میں وقتِ حاضر کے 32 انشائیہ نگاروں کی خدمات کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ الغرض مصنف نے انشائیے کے فن اور اس کی مکمل جامع تاریخ اور امکانات پر سیر حاصل کتاب تحریر کی ہے۔ کتاب اپنی طباعت اور اشاعت کے اعتبار سے کمیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہے۔ اہم موضوع اور عمدہ طباعت کے ساتھ قیمت بہت ہی مناسب۔ امید ہے کہ ادب کا ہر قاری اس سے ضرور مستفیض ہوگا۔

⊙⊙⊙

بقیہ: پروین شاکر

پر پہنچ گئیں۔ اردو ادب کے شعری فلک پر ایک نیا ماہتاب دمکنے لگا تھا۔ پروین شاکر کا نام گھر گھر میں سنائی دینے لگا۔ ان کا لہجہ سورج کی پہلی شعاع، ساون کی پہلی بوند، چلمن پہ ٹمٹماتا دیا، دریا میں پہلی شام گاتے ہوئے ماجھی جیسا تھا۔ دیگر شعری مجموعے 'صد برگ' (۱۹۸۰ء)، خود کلامی، انکار (۱۹۹۰ء) میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئے۔ بعد میں ان کی شاعری کے مجموعوں کو ماہِ تمام میں یکجا کیا گیا۔ یہی ان کا کلیات ہے۔ پروین شاکر کو آدم جی ایوارڈ کے علاوہ پاکستان کے باوقار اعزاز Pride of Performance سے نوازا گیا۔ انھیں وہ سب کچھ ملا جو ایک بڑے قد آور ادیب و شاعر کو ملتا ہے۔ پاکستان کے اور رجحان ساز شاعروں جیسے ناصر کاظمی، شکیب جلالی کی طرح پروین شاکر بھی جلد ہی خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ شکیب جلالی نے خود کشی کی اور پروین شاکر کار کے سڑک حادثے میں جاں بحق ہو گئیں۔ ان کا المناک انجام ہوا۔ قدرت کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہیں۔ انگریزی میں ایک کہاوت ہے Man proposes God disposes یہی کچھ پروین جیسی ہونہار شاعرہ کے ساتھ ہوا۔ وہ ہم میں نہیں، مگر ان کی فکر رسا کے گلاب کھلے ہوئے ہیں۔ باغِ اردو ان سے معطر رہے گا۔ ان کی غزلوں کی قرأت ہوتی رہے گی۔ قارئین فرطِ انبساط سے جھومتے رہیں گے۔ اب ہم منفرد لب و لہجے کی شاعرہ کے شاعرانہ نگار خانے میں جھانکتے ہیں اور زندگی کے سرد و گرم تجربات کو محسوس کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پروین شاکر کے نسائی جذبات کے اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

مشرقی لڑکی کی نسوانی کسک کی کرچیاں فرش راہ بنی ہوئی ہیں:

پا بہ گِل سب ہیں، رہائی کی کرے تدبیر کون
دست بستہ شہر میں کھولے مری زنجیر کون

طوفان ہے تو کیا غم آپ مجھے آواز تو دیجیے
کیا بھول گئے آپ مرے کچے گھڑے کو

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

چہرہ و نام ایک ساتھ آج نہ یاد آسکے
وقت نے کس شبیہ کو خواب و خیال کر دیا

وہ اب میری ضرورت بن گیا ہے
کہاں ممکن رہا اس سے نہ بولوں

مرا نوحہ سنائی کوئی نہیں ہے
سو اپنے سوگ میں خود بال کھولوں

اس بیت میں ایک حساس عورت کی بے چارگی جھلک رہی ہے:

باندھ میرے بھول بیٹھے دیکھیں دیتے کہاں
بند مجھ پر جب سے اس کے گھر کا دروازہ ہوا

اس شعر کی سلگتی آگ کی تپش ملاحظہ کیجیے:

ریل کی سیٹی میں کیسے ہجر کی تمہید تھی
اس کو رخصت کرکے گھر لوٹے تو اندازہ ہوا

پروین شاکر پہلی شاعرہ ہے جس نے نسائی احساسات پر اوس نہیں ڈالی۔ ان کی پردہ پوشی کرنے کی ناکام سعی نہیں کی۔ رسم و رواج کی اسیر ہو کر شمع کی طرح خاموش نہیں ہوگئی۔ اس نے اپنے باطن کو زبان دی۔ اظہار کو وسیلہ بنایا۔ سماجی جبر کے آگے سپر نہیں ڈالی۔ وقت و حالات سے نبرد آزما ہونے کی اپنے اندر طاقت پیدا کی۔ پروین شاکر خود اپنی کتاب کے دیباچے 'در یچۂ گل سے' میں زیر لب کچھ کہہ رہی ہیں۔ ان کی باتیں رازہائے سربستہ کی پرتیں کھول رہی ہیں۔ ان میں عمیق معنی خیزی ہے۔

گریز پاموسموں کی لوٹتی دہلیز پر ہوا کے بازو تھامے ایک لڑکی کھڑی ہے اور سوچ رہی ہے کہ اس سے اور آپ سے کیا کہے۔ برس بیتے۔ گئی رات کے کسی ٹھہرے ہوئے سناٹے میں اس نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ اس پر اس کے اندر کی لڑکی کو منکشف کر دے۔

خدائے ذوالجلال نے اس کی مناجات کو شرف قبولیت عطا کیا اور وہ اندر کی لڑکی گویا ہوئی۔ اس کا دستاویزی ثبوت ان کے شاہکار شعری مجموعے ہیں جن سے اقلیم ادب نور و نکہت میں ڈوبا ہوا ہے۔

5/A/1/43-1-8، پوسٹ آفس
چنچل گوڑہ، حیدرآباد - 500 008

●●●

بقیہ: مشرقی پنجاب میں اردو...

صفحہ ۳ سے آگے

اسکول قائم کیے گئے ہیں۔ ان سبھی اداروں میں اردو پڑھائی جاتی ہے۔

اس مختصر سے مضمون میں مشرقی پنجاب میں فروغ اردو کے لیے سرگرم سبھی اداروں کا سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ مشرقی پنجاب میں اردو کی شمع روشن ہے، اردو کا مستقبل تابناک ہے لیکن ضرورت ہے کہ قومی کونسل فروغ اردو، نئی دہلی جیسے فعال ادارے مشرقی پنجاب میں فروغ اردو کے لیے کام کر رہے اداروں، اسکولوں اور کالجوں کی راہ میں حائل مشکلات کا حل کریں۔

(بہ شکریہ ایوان اردو دہلی، جون 2015)

594/14-W، براڈ اسٹریٹ
حضرت شیخ روڈ، مالیر،
مالیر کوٹلہ -148023 (پنجاب)

○○○

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

آوری نہیں کی جارہی ہے، حالاں کہ نظام آباد ضلع میں متحدہ ریاست میں بھی اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا گیا تھا لیکن اس کی عمل آوری متحدہ ریاست میں بھی نہیں کی گئی۔ تلنگانہ کے قیام کے بعد حکومت نے دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا اعلان کیا لیکن سرکاری دفاتر میں اردو کے مترجم کا تقرر عمل میں نہیں لایا گیا جس کی وجہ سے سرکاری عہدیدار اردو میں درخواست گزاری کرنے والے افراد کی درخواست حاصل کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ تلنگانہ کے قیام کے بعد سرکاری دفاتر کے تمام سائن بورڈس کی تبدیلی عمل میں لائی گئی اور ضلع کے کئی سرکاری دفاتر کے سائن بورڈس سے اردو کو حذف کر دیا گیا نہ صرف ضلع کے منڈلوں بلکہ ضلع مستقر کے کئی سرکاری دفاتر کے علاوہ پرگتی بھون سے بھی اردو کو حذف کر دیا گیا جس کی وجہ سے محبان اردو میں مایوسی پائی جارہی ہے۔ اس لیے، فوری سرکاری دفاتر کے سائن بورڈوں پر اردو کو تحریر کرنے اور سرکاری دفاتر میں اردو کے مترجم کی تقرری کرتے ہوئے محبان اردو کی شکایت دور کی جائے۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

نسائی محسوسات کی حسین شاعرہ

پروین شاکر

دنیائے شعر و ادب میں شاعروں کا تسلط رہا۔ انھی کی قد و قامت، فکر و خیال کے گل بوٹے مہکتے رہے۔ سارے راستے انھی پر ختم ہو جاتے تھے۔ مردانہ جنس (Male Gender) گراں بہا نے تھی۔ جس طرح سلطنت، حکومت، حکمت اور فکر و فلسفہ کی بساط پر مردوں کا راج تھا اسی طرح شعر و شاعری میں بھی ابن آدم یعنی حضرت انسان کی بلا شرکت غیرے بالادستی مسلم تھی۔ ہمارے ذہنوں پر میر و غالب، اقبال و فیض، جوش و ساحر، مجاز، مخدوم کی غزلیات کے رومانی اور انقلابی شعروں کی دل آویز قوس و قزح ابھرتی تھی۔ ہم انھی کی تخیلات کی بستی میں گم شدہ رہے۔ معدودے چند خواتین بیت بازی یا بیت تک ہوں گی۔ ان کا ہونا نہ ہونے کے برابر تھا۔ کرۂ ارض کے سارے براعظموں، ملکوں اور شہروں میں مردانہ آواز کی گونج تھی۔ اس حقیقت سے کوئی فرد بشر بھی منکر نہیں ہو سکتا۔ انگریزی ادب شیکسپیئر، ملٹن، بائرن، ورڈس ورتھ، پوپ اور کیٹس کے تصورات سے بھرا رہا۔ ادھر فارس میں حافظ شیرازی، ظہوری، بیدل، عرفی، رومی و خیام چھائے رہے۔ تلگو شعریات میں ویمنا، پوتنا، سری سری، الاسانی پدنا اور کالوجی وغیرہ کا جادو سر چڑھ کے بولتا رہا۔ شاہی دور میں ایک دو شہزادیوں کے شاعرانہ نام مل جاتے ہیں جیسے نور جہاں، جہاں آرا، زیب النساء مخفی۔ ان کی حیثیت چاندنی میں جھلملاتے دیے جیسی رہی۔ مین اسٹریم میں تو صنف نازک تھی ہی نہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ مردانہ سماج کے علاوہ تہذیبی آداب بھی تھے۔ بیسویں صدی کی چھٹی، ساتویں دہائی میں نسوانی رعد اور دھنک شاعری کے افق پر ابھرنے لگی۔ غزل سرخ ہو کے دہکنے لگی۔ لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ یہ تازہ دم آواز کس کی تھی۔ غزلوں میں صبا کی مہک رہی، آخر شب کے ستاروں کی غم ناکی، محرابوں سے اونگھتے چراغوں کی دھواں، پچھلے پہر کی سرگوشیاں، دلوں کی دھڑکنوں کا زیر و بم، ساحل سے سر پٹختی موجیں، سر شام دریا میں ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنیں، در زنداں کھلنے کی آس، پھولوں پر منڈلاتے بھنوروں کا راگ، ہجر میں بانسری کی آہ و فغاں اور سرد ہواؤں کا نوحہ سنائی دینے لگا۔ دہکتی دہکتی آنچ دینے والی اس شعری کائنات کی خالق کوئی اور نہیں خوب صورت، ذہین، غم جاناں، غم دوراں کے ماتم کو اپنے سینے میں لے کر چلنے والی پروین شاکر تھی، جس نے ایک جست میں صدیوں کا فاصلہ طے کر دیا۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے غزل کا رنگ تبدیل کر دیا۔ اس کی نت نئی لفظیات، روح کو چھونے والے استعارے، فصیح و بلیغ اشارے کنائے، نایاب تشبیہات، انمول تمثیلیں، تلمیحات، گہری امیجری اور جمالیاتی پیکر تراشی نے شاعری کا چولا بدل ڈالا۔ اس کی روایتی ڈگر تبدیل کر دی۔ فرسودہ خیالی کو خیرباد کہا۔ گھسے پٹے موضوعات سے کنارہ کشی کر لی۔ پامال راہوں سے گریز کیا۔ نئے سفر میں نئے چراغوں کا بندوبست کیا۔ لوح و قلم کا رخ نئی منزلوں کی جانب پھیرا۔ نئے تخلیقی صبح و شام پیدا کیے۔ غزلیات کو جدید رنگ و آہنگ اور ڈکشن سے روشناس کیا۔ چہار عالم میں تہلکہ برپا کر دیا۔ اپنی ادبی پہچان بنائی۔ شعری ارض و سما پر اپنی شخصیت کی چھاپ مرتسم کر دی۔ پروین شاکر سے ادبی کینوس وسیع ہوا اور خیالوں کے نئے مہر و ماہ طلوع ہوئے۔ پروین شاکر کے ہاں لفظوں کا گورکھ دھندا نہیں ہے۔ وہ پرانی لکیروں کو نہیں پیٹتیں۔ نئے موسم، نئی رتیں اور نئے گل کھلاتی ہیں۔ یہی ان کا امتیازی وصف ہے۔ پروین شاکر کی زندگی نے وفا نہیں کی۔ وہ 42 سال کی عمر میں ہی اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں۔ وہ اسلام آباد میں ایک کار حادثے میں فوت ہو گئیں۔ وہ کیٹس، مجاز، شکیب جلالی اور جان ملٹن کی طرح کم عمری میں ملک عدم سدھار گئیں۔ انھوں نے کم عمری میں ادب کو اتنا مالا مال کیا جو کئی لوگ اپنی لمبی عمروں میں نہیں کر سکے۔ بے پناہ تخلیقی وفور رکھنے والی شاعرہ کی نجی زندگی آسودہ نہیں رہی۔ اس پر دکھ کے بادل منڈلاتے رہے۔ آخرکار نصف بہتر سے مفارقت ہو گئی۔ دونوں کا جادہ الگ ہو گیا۔ ازدواجی رفاقت کی نشانی ایک لڑکا مراد رہ گیا۔ پروین کی شاعری میں نجی گھریلو واقعات کی کسک اور چبھن ملتی ہے۔ وہ مردانہ برتری کا اعتراف کرتی ہیں:

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا

ان کی جذباتی غزلیں پڑھتے ہوئے دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ کبھی شب و روز کا آتشیں سیال رگ و پے میں دوڑنے لگتا ہے۔ پروین شاکر پڑھی لکھی روشن

مسعود جعفری

خیال خاتون تھیں۔ انھوں نے انگریزی لٹریچر سے ایم اے کیا تھا۔ بینکنگ علم و نسق میں پی ایچ ڈی کی تھی۔ وہ محکمۂ کسٹم میں اعلا عہدے پر فائز تھیں۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ 'خوشبو' ۱۹۷۷ء میں منظر عام پر آیا۔ وہ راتوں رات شہرت کے آسمان

(بقیہ صفحہ 1 پر)

اردو میں بچوں کے ادب پر گراں قدر انعامی مقابلے

بچوں کے ادبی ٹرسٹ نے انجمن ترقی اردو (ہند) کی سرپرستی اور تعاون کے ساتھ بچوں کے (اردو) ادب پر دو سال میں ایک بار گراں قدر انعامات دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ انعامات صرف نثری تحریروں کے مسودوں پر دیے جائیں گے، مطبوعہ ادب پر نہیں۔ ان مقابلوں کا اصلی مقصد اردو میں بچوں کے ادب میں اوریجنل، جدید اور اچھے مسودے حاصل کرنا ہے۔ بعد میں ان کی شایان شان اشاعت کی کوشش بھی کی جائے گی۔ انعامات کی رقم پچاس ہزار سے چودہ ہزار روپے تک متوقع ہے۔

اس سلسلے کا پہلا انعامی مقابلہ سال 2016 میں منعقد ہوگا۔ مسودے جمع کرنے کی آخری تاریخ 2016 کے ابتدائی مہینوں میں متوقع ہے۔

مقابلوں میں ملک اور بیرون ملک کے ادیب بلا شرط عمر حصہ لے سکتے ہیں۔

مقابلوں میں شرکت کی شرائط اور دوسری تفصیلات کا جلد ہی اعلان کر دیا جائے گا۔

بچوں کے لیے لکھنے والے مندرجہ ذیل زمرۂ عمر کی مناسبت کو ذہن میں رکھ کر تیاری شروع کر سکتے ہیں۔

زمرۂ عمر

3 تا 6 سال (تصویری کہانی، بنیادی تصویری یعنی Concept Book)
6 تا 9 سال (فکشن / نان فکشن)
9 تا 12 سال (فکشن / نان فکشن)
12 تا 16 سال (فکشن / نان فکشن)

مزید معلومات کے لیے سید غلام حیدر (سابق سکریٹری بچوں کا ادبی ٹرسٹ، نئی دہلی) اور محمد ساجد (انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی) سے مندرجہ ذیل فون نمبروں پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے:

فون نمبر (سید غلام حیدر): 9718875214, 011-26391766
(محمد ساجد): 9811716909

ادارے کا مضمون نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے ــ (ادارہ)

مدیر: اطہر فاروقی — Editor: Ather Farouqui
شریک مدیر: محمد عارف خاں — Joint Editor: Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر: عبدالباری — Printer, Publisher: Abdul Bari
مطبوعہ ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
Printed at: Samar Offset Printing Press, Delhi
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی- ۱۱۰۰۰۲
Proprietor: Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
قیمت فی شمارہ: تین روپے، سالانہ: ۱۲۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Subscription: (Per Issue): Rs. 3/-, Yearly: 125/-
(Foreign Countries: US $ 8)
http://www.atub.org. Phones: 23237212, 23237214